حسرت ان غُنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

مولانا حسین احمد شرّ ودی، کوئٹہ بلوچستان

راقم الحروف ۲۰۰۳ء میں ''جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی'' میں زیر تعلیم اپنے بیٹے کو ملنے گیا، یہ اس کے دورۂ حدیث کا سال تھا، عجیب اتفاق یہ کہ جس کمرے میں ان کی رہائش تھی، ۷۵-۱۹۷۶ء میں اسی کمرے میں دورۂ حدیث کے سال میرا قیام تھا۔ میں مولانا حافظ زبیر احمد شرودیؒ (شہید مظلوم) کی بات کر رہا ہوں۔

اس بچے کی ولادت ۱۸/اگست ۱۹۸۱ء کو ہوئی۔ بلوچستان کے ہر دلعزیز اور معروف عالم دین اور ولی کامل مولانا محمد صدیق شاہؒ ان کے ماموں تھے، اس مناسبت سے جائے ولادت قلات ہے۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد علم کا شوق اسے آگے دوڑاتا رہا۔ ابتدائی تعلیم اپنے مدرسہ جامعہ رشیدیہ کوئٹہ میں حاصل کی، ان کے بڑے بھائی کو حفظ قرآن میں کوئی چھ سات برس لگے۔ اپنا شوق نہ ہونے کی وجہ سے تجربے کے پیش نظر حافظ زبیر احمد کو ہم نے حفظ کی بجائے کتابوں سے جوڑ دیا اور کافیہ تک پہنچتے پہنچتے از خود اُن پر حفظ قرآن کا جذبہ ایسا غالب آیا کہ ہمارے تھامتے نہیں تھم رہا تھا، اساتذہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کتابوں سے راہ فرار کا بہانہ ہے، لیکن مجھے اس کی طلب صادق محسوس ہوئی تو ان کو اجازت دی کہ کتابیں روک کر حفظ قرآن میں لگ جاؤ۔

صرف دو برس میں حفظ مکمل کرلیا، حالانکہ ان دنوں جامعہ رشیدیہ میں شعبہ حفظ کا نظام کافی کمزور تھا اور پھر دوبارہ کتابوں میں جُت گیا۔ تجوید القرآن کوئٹہ، مدرسہ علوم شرعیہ کوشک خضدار، احسن العلوم کراچی سے ہوتا ہوا موقوف علیہ اور دورۂ حدیث کے لئے بنوری ٹاؤن کراچی پہنچ گیا۔

پشتون آباد کوئٹہ کا ایک درست راوی ہے کہ جس سال وہ (زبیر) دورۂ حدیث کا طالب علم تھا، ہم کسی کام سے کراچی گئے ہوئے تھے، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے ایک بڑے استاذ سے ملاقات تھی تو اس نے جامعہ کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا تھا: میں جب تہجد کے لئے اٹھتا ہوں تو یہ (زبیر) مجھ سے پہلے اٹھ چکا ہوتا ہے اور میں اس کو مصروف گریہ وزاری پاتا ہوں۔

دورانِ تعلیم اپنے دادا شیخ القرآن مولانا محمد یعقوب صاحب شرؔ ودیؒ سے دورۂ تفسیر قرآن کریم بھی پڑھا اور اچھے نمبروں سے امتحان پاس کر کے سند لی اور ''جامعہ رشیدیہ'' ہی سے اس دوران سائنس میں میٹرک کیا۔ بعد میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم پر محنت جاری رکھی۔ ۲۰۱۰ء میں ایم فل کا مقالہ لکھنے میں مصروف تھے کہ داعی اجل کو لبیک کہنا پڑا۔

دینی علوم سے فراغت کے فوراً بعد جامعہ رشیدیہ کوئٹہ سے بحیثیت مدرس منسلک ہو گئے، جبکہ الحبیب جامع مسجد عبد الستار روڈ کوئٹہ کا منبر خطابت بھی ہم نے ان کے لئے خالی کر دیا، تاحیات دونوں قسم کے فرائض بخوبی انجام دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے عربی کا بہترین ذوق ان کو بخشا تھا، صرف ونحو میں کوئی نمایاں مہارت نہ ہونے کے باوجود فی البدیہ عربی بولنے پر قادر تھے اور نوجوان علماء کا ایک اچھا خاصہ طبقہ ان کی اس خوبی سے استفادہ کے لئے ساتھ رہتا تھا۔ واضح رہے کہ ہدایۃ النحو والے سال کوئٹہ کے ایک مشہور مدرس کے حلقۂ درس میں کچھ دن صرف ونحو سیکھنے کے لئے بیٹھنے کے بعد جلد ہی علیحدہ ہو گئے تھے کہ مولوی صاحب موصوف صرف قوانین پڑھاتے ہیں، ان قوانین کو روبہ عمل نہیں لاتے، اپنی عربی ان کی درست نہیں تو اس صرف ونحو کا کیا فائدہ؟۔

اور بات ہے بھی ایسی کہ دس دس برس تک صرف ونحو میں بال کی کھال تو مدارس میں اتاری جاتی ہے، مگر نہ تو استاد کو عربی لکھنا اور بولنا آتا ہے، نہ طلباً کو۔ حضرت بنوریؒ کا ایک قدیم مضمون چند سال پیشتر نظر نواز بنا، انہوں نے فرمایا تھا: عربی ادب پر مختلف ادوار گذرے ہیں، صحابہ کرامؓ کے زمانے میں یہ زبان گفتگو اور واضح بات چیت کے لئے ہوتی تھی، اس میں کوئی تصنع وتکلف نہیں تھا، بعد میں متنبّی اور بدیع الزمان والوں کا دور آیا تو اس میں تک بندی اور دیگر باریک بینیوں پر اتنا زور صرف ہونے لگا کہ اصل شئے پس پشت چلی گئی، بقول حضرتؒ کے اب بھی ضرورت ہے کہ اس کو روزمرہ کی بول چال کے لئے استعمال میں لایا جائے۔

بات کسی اور طرف نکل رہی ہے، تذکرہ حافظ زبیر احمد شرؔ ودی شہیدؒ کا ہو رہا تھا، یہ ''گوراچٹا جوان'' محض اپنے علم وعمل اور سیرت کی وجہ سے احباب کے لئے باعث کشش نہ تھا، بلکہ

اللہ تعالیٰ نے اُسے ظاہری حسن سے بھی نوازا تھا، مثالی تحمل و بردباری کی وجہ سے ہمہ وقت مسکرانا ان کی عادت تھی اور پھر فیاضی اور سخاوت نے ان کی شخصیت کو چار چاند لگائے تھے، مسافروں کو کھانا کھلانے سے ان کو بڑی خوشی ہوتی، ایسا لگتا ہے یہ خصلت ان میں اپنے نامدار ماموں حضرت مولانا محمد صدیق شاہؒ یا ہمارے دادا مولانا حاجی فتح محمدؒ کی طرف سے منتقل ہوئی تھی، خاندان کے یہ دو بزرگ اس میدان کے سباق تھے یا پھر ہوسکتا ہے کہ مادرِ علمی ''جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی'' کی تربیت کا اثر ہو، جس کے بانی محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی فیاضی اپنی نظیر آپ تھی، جبکہ حضرتؒ پر اللہ کی مہربانی سے روپیہ برستا بھی تھا ''وازھد فیما عند الناس یحبک الناس'' والا منظر ہوتا تھا۔

حافظ زبیر احمد شہیدؒ کو قرآن پاک کے ساتھ عشق کے درجے میں محبت تھی، صرف رمضانی حافظ نہیں تھے، سال بھر مزے لے لے کر تلاوت میں محو رہتے اور بطور خاص نوافل میں نماز اور تلاوت دونوں سے لطف اندوز ہوتے، جس سے ان کی حلاوت ایمانی کا اندازہ ہوتا، سچ پوچھئے تو ان کی نماز مجھ جیسے بڈھے کے لئے باعث رشک ہوتی۔ اس کا ظاہر، باطن کا غماز لگتا تھا، اردگرد کے ماحول سے کٹ کر ہمہ تن نماز کی طرف متوجہ رہتا، ہیئت ایسی ہوتی کہ بندے کو بھی اس کے خشوع پر پیار آتا اور جس کے سامنے اس نے سجدہ ریز ہونا ہوتا، وہ تو ویسے بھی ارحم الراحمین ہے، اس کی رحمت کو تو بہانہ چاہئے، نہ کہ قیمت اور بہا۔ اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ولادت کی طرح وفات اور شہادت بھی ۱۸/اگست ۲۰۱۱ء کو ہے، اس تحریر کی ابتداء میں عرض کیا جاچکا ہے کہ ان کی ولادت ۱۸/اگست ۱۹۸۱ء کو ہوئی تھی، اس طرح ان کی عمر ٹھیک تیس برس بنتی ہے۔

۱۷/رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ شب جمعہ (یوم بدر بھی ہے) کو حافظ زبیر احمدؒ گھر پہ افطاری کر کے تراویح پڑھنے اپنی مسجد (الحبیب) موٹر سائیکل پہ جارہا تھا، (قرین قیاس یہی ہے کہ اس وقت بھی مصروف تلاوت ہوں گے) نامعلوم درندوں نے ٹی ٹی پستول سے فائر کر کے ان کے سینے کو چھلنی کر دیا اور موٹر سائیکلوں پر فرار ہوگئے۔ اور موٹر سائیکل سواروں کا یہ پہلا شکار نہیں، کوئٹہ شہر میں علماء کرام بڑی تعداد میں ان خونخواروں کا ہدف بنتے رہے ہیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

حافظ زبیر احمد شہیدؒ کا نہ تو عملی مروجہ سیاست سے کوئی تعلق تھا، نہ وہ فرقہ واریت میں ملوث تھے، ایک نہایت بے ضرر، مرنجان مرنج اور اپنے علمی مشاغل میں منہمک رہنے والے آدمی تھے، ہمیں سمجھ ہی نہیں آرہا کہ کن شقی القلب لوگوں نے کس بنیاد پر اپنی عاقبت خراب کی؟ کہا جاتا ہے کہ حضرت

مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کے مزار پر ان کا اپنا یہ شعر درج ہے:

بہ لوح تربت من یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

حافظ زبیر احمد شہیدؒ کے لئے ''بے گناہی'' کے سوا کوئی جرم ہمیں نظر نہیں آ رہا۔ امام احمدؒ کے متعلق کہیں نظر سے گذرا کہ اپنے کسی مخالف سے فرمایا: ہمارا اور آپ کا فیصلہ جنازے کے شرکاء کی تعداد سے ہوگا، چنانچہ امام صاحبؒ کے جنازے میں شرکاء کی تعداد لاکھوں میں تھی۔

حافظ زبیر مرحومؒ کے جنازے کے شرکاء کے لئے نہ صرف جامعہ رشیدیہ، بلکہ اسماعیل کالونی کا دامن تنگ تر ہوتا جا رہا تھا، چنانچہ موقع پر ہی جنازہ گاہ کی تبدیلی کا فیصلہ ہوا اور گوالمنڈی چوک کے قریب ایک کھلے میدان میں جنازہ پڑھا گیا۔ پیر طریقت مولانا عبدالہادی کردگاپی مدظلہٗ نے امامت کرائی۔

مرحوم کے پسماندگان میں بیوہ، دو بیٹے اور ایک بیٹی شامل ہیں، بچوں کے نام معاذ، اور حمزہ ہیں۔ اظہار تعزیت کے لئے ملک بھر سے نامور علماء کرام تشریف لائے، جن میں قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب شامل تھے۔ وزیر اعلیٰ بلوچستان نواب محمد اسلم رئیسانی، نواب زادہ طلال بگٹی اور دیگر قبائلی شخصیات کے علاوہ سینئر صوبائی وزیر سمیت اکثر صوبائی وزراء اور بلوچستان اسمبلی کے اسپیکر سردار محمد اسلم بھوتانی اور ڈپٹی اسپیکر حاجی مطیع اللہ آغا بھی تشریف لائے، تمام سیاسی جماعتوں کے وفود بھی اظہارِ ہمدردی کے لئے پہنچے۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔ تاہم یہ سوال اپنی جگہ برقرار ہے کہ حکمران صرف تعزیت اور ہمدردی کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو سکتے ہیں؟ یا ان کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ شہداء کے قاتلوں کو عبرتناک انجام تک پہنچائیں، تاکہ آئندہ کسی کو اس قسم کی ''درندگی'' کی جرأت نہ ہو سکے۔

☆☆....☆☆